جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان

کابل اور اسلام آباد کے دکھوں کی کہانی

چارلس ڈکنز اپنے ناول A tale of Two Cities میں انقلاب فرانس کے بعد کے حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''یہ وقت بہت سی اچھائیوں کے ساتھ ساتھ بہت ہی خرابیوں کا موجب بھی ہے'' لیکن پاکستان اور افغانستان کے دارالحکومت اسلام آباد اور کابل، جو کہ انتشار، بدامنی اور بے یقینی کی وجہ سے آج دنیا کے بدنام ترین علاقے بن گئے ہیں اور صرف ''برے حالات'' کا منظر پیش کر رہے ہیں۔ افغانستان پر امریکی فوجی قبضے کی وجہ سے ملک کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے، لاکھوں بے گناہ مرد، عورتیں اور معصوم بچے قتل کر دیئے گئے ہیں، کچھ اسی طرح کی صورت حال پاکستان میں بھی ہے، جس میں انسانی خون کے پیاسے ڈرون حملے بھی شامل ہیں، کابل گزشتہ تیس سالوں سے اپنی قومی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے جبکہ اسلام آباد دہشت گردی کے عفریت سے نمٹنے کے ساتھ ساتھ ملک میں سول آمریت کے خاتمے اور پائیدار جمہوری نظام کے قیام کی جدوجہد میں مصروف عمل ہے۔ دونوں مقامات پر جاری جدوجہد تیزی سے اپنے منطقی انجام کی طرف بڑھ رہی ہے۔

اسلام آباد:

حکومت بیک وقت کئی خطرناک محاذوں پر مصروف عمل ہے، ان میں پہلا محاذ عدلیہ کے ساتھ محاذ آرائی ہے جس میں حکومت کا بنیادی مقصد این آر او سے فیض یاب ہونے والے اکابرین کا تحفظ اور اٹھارویں آئینی ترمیم کو اپنی مرضی کے مطابق منظور کرانا ہے۔ یہ اقدامات عدلیہ کو زیر کرنے کے مترادف ہیں۔ عبوری فیصلہ آ چکا ہے جس سے تصادم کا خطرہ ٹل گیا ہے، موجودہ حکومت عوام کے مسائل کو کم کرنے میں ناکام ہو چکی ہے، جس سے عوام کے دلوں میں حکومت کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے، بدعنوانی کا گراف بلندی کی طرف جا رہا ہے جس سے نہ صرف ملک بدنام ہو رہا ہے بلکہ عوام الناس کے مصائب میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا ہے، روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں روز افزوں اضافہ، توانائی کا بحران، لاقانونیت کا دور دورہ اور سب سے بڑھ کر نظام کی تبدیلی کے خدشات نے عوام کو عجیب طرح کے خوف و ہراس میں مبتلا کر رکھا ہے۔ عوام ان حالات میں تبدیلی اور بہتری کے خواہش مند ہیں جبکہ حکومت کے اطوار

سے بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ اس سلسلے میں حکومتی ارکان کا رویہ ''جمہوری حکمرانی'' کے دعوے کی نفی کر رہا ہے، گزشتہ دہائی کے دوران پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے جاندار کردار ادا کر کے عوام کے دلوں میں عزت و احترام پیدا کیا ہے۔ ملک میں حالات کی بہتری اور بگاڑ سے عوام کو ہر لمحہ باخبر رکھنے کے سلسلے میں میڈیا کے آزادانہ تبصروں اور تفتیشی صحافت کے اعلیٰ معیار نے حکومت اور میڈیا کے مابین خلیج کو مزید وسیع کر دیا ہے جو اچھی علامت نہیں ہے۔ افغانستان سے ملحقہ ہماری سرحدوں پر تصادم کی کیفیت نے پاک امریکہ تعلقات پر برے اثرات مرتب کئے ہیں خصوصاً اس وقت جبکہ قابض فوجیں افغانستان سے نکلنے کے پرامن راستہ کی تلاش میں ہیں، پاکستانی حکومت شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے حق میں نہیں ہے اور یہی بات پاکستان اور امریکہ کے مابین تعلقات کے بگاڑ کی اصل وجہ ہے جسے پاکستان کی اقتصادی امداد سے منسلک کر دیا گیا ہے۔

بلاشبہ ملک کو انتہائی مشکل نوعیت کی صورتحال کا سامنا ہے لیکن اس کے باوجود نظام کے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں کیونکہ ملک کی سلامتی کے ضامن ادارے مثلاً عدلیہ، مسلح افواج، سیاسی حزب اختلاف، میڈیا اور سول سوسائٹی نظام کی تبدیلی کے حق میں نہیں ہیں بلکہ نظام میں بہتری لانے کے متمنی ہیں تاکہ ملک میں پائیدار جمہوری نظام قائم ہو سکے۔

کابل:

کابل ایک تاریخی دوراہے پر کھڑا ہے جس طرح ۱۶۸۳ء میں ویانا (Vienna) جسے یورپ کے قلب کی حیثیت حاصل ہے، جب عثمانیوں نے ویانا کا محاصرہ کر رکھا تھا، جس کے نتیجے میں انہیں بدترین شکست سے دوچار ہونا پڑا اور اس کے بعد سلطنت عثمانیہ کا شیرازہ بکھرنا شروع ہوا جس سے عالم اسلام کے زوال کا آغاز ہوا لیکن دوسری عالمی جنگ کے بعد جونہی سامراجی قوتیں کمزور ہوئیں تو بہت سے اسلامی ممالک نے آزادی حاصل کی، خصوصاً روسی افواج کے افغانستان سے پسپائی اور روسی استعمار کے ٹوٹنے کو مغربی دنیا نے اپنے مفادات کے لئے خطرہ سمجھ لیا، اس طرح جو خلا پیدا ہو گیا تھا، اسے پر کرنے کے لئے امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان جو کہ عالم اسلام کا قلب ہے پر قبضہ کر لیا، افغانستان پر قبضے کا اولین مقصد امریکہ کی ''عالمی حکمرانی اور بالادستی کے دیرینہ خواب کو عملی جامعہ پہنانا تھا مگر افسوس کہ ایسا ممکن نہ ہو سکا، کیونکہ غیور افغانیوں نے جس طرح روس کو شکست فاش دی تھی اسی طرح اکلوتی عالمی سپر پاور اور اس کے اتحادیوں کو ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ چونکہ افغان قوم یہ جنگ جیت چکی ہے، اس لئے خطے اور اپنے ملک میں قیام امن کے خدوخال مرتب کرنے کی ذمہ داری انہی کی ہے اور وہ اس کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں، تاریخ کے اس دوراہے پر کابل اور ویانہ میں تاریخی مماثلت پائی جاتی ہے، کیونکہ ویانا میں عالم اسلام کی پھیلتی ہوئی طاقت شکست سے دوچار ہو کر زوال پذیر ہوئی تھی اور تین سو سال کے بعد اب افغانستان کی سرزمین سے دوبارہ اس کی نشاۃ ثانیہ کے دور کا

آغاز ہو رہا ہے، تہذیبوں کا عروج و زوال ایک حقیقت ہے جو "تہذیبوں کے ٹکراؤ" کے نظریے کی نفی کرتا ہے بلکہ اس کے برعکس مختلف تہذیبیں ایک دوسرے سے تہذیب کے آداب سیکھتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں۔

افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادی یورپی یونین اور بھارت کو کئی محاذوں پر شرمناک شکست کا سامنا ہے اور وہاں سے پرامن طور پر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا۔ افغانستان کے ۸۰ فیصد علاقے طالبان کے کنٹرول میں ہیں اور قابض فوجوں کا کنٹرول صرف اہم فضائی اڈوں، روابطی مراکز اور کابل وقندھار کی چھاؤنیوں تک محدود ہے۔ امریکہ کی افپاک سٹریٹیجی مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ جس کا مقصد فوجوں کی تعداد اور ڈرون حملوں میں اضافے سے اپنی پوزیشن کو مضبوط بنا کر طالبان کو اپنی شرائط پر مذاکرات کرنے پر مجبور کرنا تھا، جبکہ طالبان مذاکرات سے قبل قابض فوجوں کے انخلاء کی واضح یقین دہانی کا مطالبہ کر رہے ہیں، طالبان میں پھوٹ ڈالنے کے تمام ہتھکنڈے ناکام ہو چکے ہیں، اب طالبان کے ساتھ براہ راست مذاکرات کرنے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ افغانستان کے پڑوسی ممالک پاکستان، ایران، روس، امریکہ کیلئے بیرونی محاذ کا روپ دھار چکے ہیں۔ ایڈمرل پیٹریاس کی پاکستان کو ڈرانے دھمکانے کی حکمت عملی ناکام ہو چکی ہے کیونکہ پاکستان نے واضح انداز میں کہہ دیا ہے کہ مستقبل میں اس قسم کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جائے گا۔ ایران پر گزشتہ کئی سالوں سے امریکہ ناجائز دباؤ ڈال رہا ہے جس کی وجہ سے ایران نے پڑوسی ممالک سے افغانستان میں اسلحے کی سمگلنگ پر اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ اسی طرح روس نے 2004-05 سے اسلحہ اور گولہ بارود کے سمگلروں کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے، اس کی وجہ امریکہ کی طرف سے جارجیا، یوکرائن اور کرغزستان میں انقلاب کو ہوا دینا اور انقلابیوں کی سرپرستی ہے۔ ان اہم پڑوسی ممالک کا امریکہ کے خلاف رویہ سخت انداز اختیار کرتا جا رہا ہے جس سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے چہروں پر مایوسی کے واضح آثار نظر آ رہے ہیں۔

واشنگٹن:

امریکہ کو اندرون ملک بھی سخت سیاسی دباؤ کا سامنا ہے جس طرح فرانس کو ویتنام میں پیش آئی تھی، اور وہ جنگ پیرس میں ہار گیا تھا۔ پینٹاگون اور سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ میں افغانستان کی عسکری وسیاسی حکمت کے حوالے سے تضادات پائے جاتے ہیں، صدر کے مشیر برائے سیکورٹی جیمس جونز (James Jones) اقتصادی امور کے مشیر اور تذویراتی منصوبہ بندی کے مشیروں کا استعفیٰ اسی سلسلے کی کڑی ہے، جبکہ رائے عامہ جنگ کے خلاف ہو چکی ہے اور ۶۵ فیصد لوگ افغانستان سے فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کر رہے ہیں، اقتصادی صورتحال دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی ہے جس سے عام امریکی شہری کی زندگی پر برے اثرات مرتب ہو رہے ہیں، امریکی سیکرٹری آف سٹیٹ ہیلری کلنٹن کے بیان کے مطابق پاکستان اور امریکہ کے درمیان تذویراتی مذاکرات کا مقصد افغان مسئلے کا پرامن حل

تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر کئی اہم معاملات پر بھی گفت وشنید کرنا ہے۔ان کا بیان ہے کہ

''امریکہ طالبان کے ساتھ بات چیت میں اس بات کی یقین دہانی کرانا چاہتا ہے کہ اگر وہ القاعدہ کے کارکنوں کو اپنی صفوں سے نکال دیں تو افغان معاشرے کی دوبارہ تشکیل کی کوششوں میں تعاون کیا جائے گا اور طالبان کو ان کا حصہ ملے گا۔''

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ بیرونی طاقتوں کے ہاتھوں افغان معاشرہ تباہ و برباد ہو چکا ہے۔ جہاں لاقانونیت کا دور دورہ ہے، اس ملک کے عوام کو پھر سے یکجا کرنا اور معاشرے کو تشکیل دینا امریکہ جیسے شکست خوردہ ملک کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ کام صرف ملا عمر کی زیر سرپرستی طالبان ہی سرانجام دے سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے ۱۹۹۶ء سے ۲۰۰۱ء تک کر کے دکھایا تھا۔اس قسم کی امریکی سوچ سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ سٹریٹیجک مذاکرات فروعی معاملات تک ہی محدود رہیں گے۔ ہاں اگر ڈرون حملے بند ہو جائیں اور پاکستان میں سیلاب زدگان کی بحالی کے لئے دو بلین ڈالر فوری طور پر فراہم کر دیئے جائیں تو امریکہ پاکستانی عوام کے دل جیت سکے گا، نہ کہ یہ رقم کہ جس کا وعدہ جنگی ساز وسامان کے لئے ہے اور وہ بھی آج سے دو سال بعد شروع ہوگا، عوام کے مصائب کا مداوا نہیں ہے۔افغانستان سے نکلنے کی یقین دہانی اور طالبان سے مذاکرات پر آمادگی جیسے معاملات زیر بحث لائے جاتے تو ان مذاکرات کو بامقصد بنایا جاسکتا تھا، اب ان مذاکرات کا مقصد صرف ڈرا دھمکا کر اور مالی امداد کا لالچ دے کر پاکستان کی وفاداریاں خریدنے کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اگر امریکہ پاکستان کے ساتھ تعلقات میں بہتری پیدا نہ کرسکا تو ان مذاکرات کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ امریکہ اور اسکے اتحادی اپنی غلطیوں اور انکے نتیجے میں اٹھائی جانے والی ناکامیوں کو کھلے دل سے تسلیم کرلیں، الیگزینڈر پوپ نے کیا خوب کہا تھا کہ:''آدمی کو اپنی غلطیوں کو تسلیم کرنے سے ہرگز نہیں گھبرانا چاہیے۔ بالفاظ دیگر ماضی کی غلطیاں تسلیم کر کے اور ان سے سبق سیکھ کر ہی انسان عقلمند بنتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا امریکہ میں اپنی کوتاہیوں کو تسلیم کرنے کی اخلاقی جرات ہے؟

- خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔
- آپ اپنے مضامین ایڈیٹر الحق کے نام بذریعہ ای میل بھی بھیج سکتے ہیں۔

email: editor_alhaq@yahoo.com